بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام وعلیکم پیارے ریڈرز! یہ میرا پہلا ناول ہے اور میں اس ناول کو لکھنے کے لیے بہت پُرجوش ہوں۔ امید کرتی ہوں آپکو یہ ناول پسند آئے گا انشاءاللہ۔

ناول پڑھنے کے بعد اسکا ریویو ضرور دیجئے گا تا کہ میں موٹیویٹ ہو سکوں اور اچھے ناولز لکھ سکوں آمین۔

"عشق حیات".

ازقلم

عائشہ سیال

- یہ کہانی ہے زِمام سلطان کی
- عبیر ملک کی معصومیت کی
- سردار دانیال سیال کی
- عائشہ سلطان کے عشق کی
- اے ایس پی دمیر ملک کی
- زیبا سلطان کے زوال کی
- زاویار سیال کے جنونی عشق کی
- وردا سبحان کے مشکل سفر کی

شہر اسلام آباد:

گرمیوں کی شدید دھوپ تھی-سورج اپنے پورے جوبن پہ چمک رہا تھا،یوں لگتا تھا جیسے ہر چیز

ساکن ہو گئی ہو۔پرندے دھوپ سے بچنے کے لیے اپنے اپنے آشیانوں کا رُخ کر چکے تھے۔اونچی لمبی عمارتوں کے سائے یوں ظاہر کر تھے جیسے نئی زندگی مل گئی ہوں۔

ایسے میں ہم رخ کرتے ہیں شہر کی مشہور یونیورسٹی بحریہ یونیورسٹی کا جہاں اسوقت طلباء کا ہجوم تھا۔ کئی علم کے متلاشی ٹولیوں کی صورت میں بیٹھے اپنے لیکچرز تیار کر رہے تھے تو کئی بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اگر یونی کے کیفے کا رخ کرو تو وہاں معمول کے مطابق بچے سموسے اور چاٹ سے لطف اندوز ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔انھیں میں سے ایک میز کے گرد وہ بیٹھی اپنے موبائل پہ سکرولنگ کر رہی تھی۔وقفے وقفے سے وہ سر اٹھا کی ارد گرد کا جائزہ لیتی اور واپس موبائل پہ جھک جاتی۔اتنے میں وہاں اسکی بیسٹ فرینڈ شنایا تن فن کرتی دھپ سے آکر کرسی پہ بیٹھ جاتی ہے۔کہاں تھی تم؟میں کلاس میں تمہارا انتظار کر رہی تھی وہ روندو سا منہ بنا کر استفسار کرتی ہے۔

وہ آہستہ سے سر اٹھا کر بیزار نظر شنایا کی طرف دیکھتی ہے اور دھیرے سے کہتی ہے میرا

کوئی موڈ نہیں تھا اپنے دماغ کی دہی کرنے کا سو لیکچر چھوڑ دیا۔گلابی رنگ کی ٹی شرٹ کے ساتھ کالی جینز پہنے گہری کالی آنکھیں گھنی لمبی پلکیں، سرخ و سفید رنگت،کمر تک آتے شہد رنگ بال باریک کٹاؤ دار ہونٹ ستواں ناک اور ماتھے پر لگا چوٹ کا نشان اسکی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔شنایا اسکا جواب سن کر برا سا منہ بناتی ہے سچ بتاؤں تو میرا تو خود سر درد کرنے لگ گیا ہے۔سر کیف اتنا پکاتے ہیں اکنامکس کے لیکچرز میں اففففف۔۔۔اسکے بعد شنایا اسے کلاس میں گزرے وقت کے بارے میں بتانے لگ جاتی ہے اچھا چلو بس بھی کرو کیوں میرا دماغ کھا رہی ہو تمہارے آنے سے پہلے کتنا سکون تھا، وہ تنگ آ کر شنایا سے کہتی ہے۔

شنایا ایک خفا سی نظر اس پہ ڈال کر منہ دوسری طرف کر کے بیٹھ جاتی ہے۔وہ نفی میں سر ہلا کر دوبارہ موبائل کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے جانتی ہے کہ وہ پانچ منٹ سے زیادہ خاموش نہیں رہ سکتی۔

یونی ختم ہونے کے بعد وہ اپنی بلیک ہیول کار میں بیٹھ کر گھر کی طرف راہ لیتی ہے۔ گاڑی

ڈیفنس میں ایک عالیشان بنگلے جسکے دروازے پر سنہرے الفاظ میں سلطان مینشن لکھا تھا اسکے گیٹ سے اندر داخل ہوتی ہے۔وہ باہر نکل کر لمبی روش پہ چلتی ہے جسکے دونوں اطراف میں خوبصورت لان بنا ہوا ہے۔وہ جیسے ہی دروازہ دکھیل کر اندر داخل ہوتی ہے اسکا کزن زیام جو آفس سے دیر ہونے کی وجہ سے جلدی میں تھا اس سے ٹکرا جاتی ہے،بدتمیز اندھے ہو تم دیکھائی نہیں دیتا کوئی سامنے سے آرہا ہے۔۔وہ بولی نہیں باقاعدہ چیخی تھی۔

زیام نے سرد نگاہیں اٹھا کر اسکی طرف دیکھا مجھے تو دیکھائی دیتا ہے مگر شاید تم نے آنکھوں کی جگہ بٹن فٹ کروا رکھے ہیں۔ یوو تمھاری ہمت کیسے ہوئی مجھ سے یعنی زیبا سلطان سے بدتمیزی کرنے کی سمجھتے کیا ہو تم خود کو؟وہ دوبارہ زیام پر چیخی جب وہ غصے سے بولتا ہے اپنی آواز نیچی رکھو میں اسوقت بحث کی موڈ میں نہیں ہوں ہٹو سامنے سے وہ زیبا کو بازو سے پکڑ کے سائیڈ پہ کرکے باہر چلا جاتا ہے۔ہنن بدتمیز جاہل انسان زیبا نخوت سے کہتی سر جھٹک کر اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے۔

گہری کال کوٹھری میں ایک شخص فرش پر بیٹھا کئی پہروں سے چیخ رہا تھا۔شدید گرمی اور پیاس کی شدت سے اسکا گلہ سوکھ گیا تھا یوں لگتا تھا جیسے گلے میں کانٹے چبھ رہے ہو۔اسکے ہاتھوں کو رسی سے باندھا گیا تھا کوئی ہے مجھے یہاں کیوں بند کر رکھا ہے خدارا کوئی تو جواب دو۔۔۔
دفتاً اسے قدموں کی آہٹ سنائی دیتی ہے تبھی ایک ہیولا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتا ہے اور اس شخص کے عین سامنے رکھی واحد کرسی پہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر شان سے بیٹھ گیا۔
کیسے ہو اسفندیار! امید کرتا ہوں کل کی رات اچھی گزری ہو گی وہ نیچے بیٹھے انسان سے سوال کرتا ہے۔کون ہو تم اور مجھے یہاں پہ کیوں قید کر رکھا ہے؟ اسفندیار اس سے سوال کرتا ہے۔
صبر رکھو اتنی جلدی بھی کیا ہے پہلے یہ بتاؤ ڈرگز کی جو ڈیل تم نے کی ہے اس میں تمہارے ساتھ اور کون شامل ہے؟
میں نے کوئی ڈیل نہیں کی چھوڑو مجھ آہہ-------
ابھی اسکی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ سامنے

والا شخص ایک تیز رھار چاقو اسکے کندھے میں گھونپ دیتا ہے۔
دمیر ملک کو بات دہرانے کی عادت نہیں ہے بہتر ہے جو پوچھا ہے اسکا جواب دو۔ میں ۔۔میں سچ بول رہا ہوں۔دمیر ملک کا چہرہ ہلکی کھڑکی سے آتی روشنی میں واضح ہوتا ہے ہیزل براؤن آنکھیں گندمی رنگت اونچی ناک عنابی لب ہلکے کنگھریالے براؤن بال بیشک وہ پرکشش مردوں میں سے ایک تھا۔میں نے کہا جواب دو اس بار اس نے ایک دھاڑ سے کہا ایک پل کو سامنے والا انسان کانپ اٹھا مگر خود پہ قابو پا گیا۔دیکھو میں کہ رہا ہوں کہ میں سچ میں نہیں جانتا تم کس ڈیل کے بارے میں بات کر رہے ہو۔
چلو ایک ڈیل کرتے ہیں تم مجھے اپنے ساتھیوں کا نام بتاؤ بدلے میں میں تمہیں بخش دوں گا۔
اسفندیار پر سوچ نگاہوں سے دمیر ملک کی طرف دیکھتا ہے میں کیسے مان لوں تم مجھے چھوڑ دو گے؟ وہ اپنے ڈر پہ قابو پاتا اس سے استفسار کرتا ہے. اے ایس پی دمیر ملک وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اسفندیار اسکے اٹل لہجے پہ یقین کر کے اسے سب بتا دیتا ہے۔ ہمم انٹرسٹنگ! تم نے اپنا

وعدہ پورا کیا اب میں اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں یہ کہتے ہی دمیر ایک جھٹکے سے اسکے کندھے سے چاقو نکال کر اسکی شہ رگ کاٹ دیتا ہے۔۔۔کہا تھا نہ دمیر ملک وعدہ خلافی نہیں کرتا۔
زمان، دمیر انسپکٹر کو آواز دیتا ہے جی سر زمان اندر داخل ہو کر سلیوٹ کرتا ہے یہ سب صاف کرواؤ اور میرے آفس میں ایک کپ کافی بھجواؤ یہ کہتے ہی وہ کوٹھری سے باہر نکل کر اپنے آفس کی طرف بڑھ جاتا ہے۔

زور گڑھ:

نیلم وادی کے پہاڑی سلسلوں سے تھوڑا سا شمال میں واقع زور گڑھ ایک خوبصورت گاؤں ہے جو کہ اپنی مثال آپ ہے۔اونچے نیچے پہاڑوں میں پوشیدہ قدرتی خوبصورتی سے لبریز دل کو سکون آنکھوں کو راحت بخشنے والے نظارے سماعت کو تازگی بخشنے والے بہتے جھرنے اور ایک کپ قہوہ۔۔۔۔جنت جیسی زندگی ہو تو ایسی۔

اگر فلحال اس خوبصورتی کو بعد کے لیے بچا کر رکھتے ہوئے ہم تھوڑی دیر پیدل سفر کریں تو اس وقت ہمارا مرکز ایک ڈیرہ ہے جہاں گاؤں کے سرداران اور لوگ جمع ہیں۔لوگ ایک دوسرے کے کانوں میں چہم گوئیاں کرتے نظر آتے ہیں۔اس جگہ کے سیدھ میں رکھی گدی سے معلوم پڑتا ہے کہ یہاں کا سردار ابھی آیا نہیں۔ اس گدی کے دونوں اطراف دو فریقین بیٹھے ایک دوسرے کو ایسے گھور رہے تھے یوں مانو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔

دفتاً مجمعے میں خاوشی چھا جاتی ہے اور کسی کے قدموں کی آواز آنے لگتی ہے۔ہجوم کو چیرتے ہوئے اپنے مشیر سکندر ک ساتھ وہ آتا دکھائی دیتا ہے چھ فٹ سے نکلتا قد جیل کی مدد سے سیٹ کیے گھنے کالے بال گندمی سفید رنگت شہد رنگ آنکھیں ستواں ناک گہرے عنابی لب چہرے پہ ہلکی سی بیرڈ اور ماتھے پر پڑا بلوں کا جال اسے حسین مرد ظاہر کرتے تھے،بیشک جو بھی اسے دیکھتا ٹھرنے پر مجبور ہو جاتا۔سفید رنگ کی قمیض شلوار پہنے اوپر بھورے رنگ کی چادر اوڑھے وہ شان سے قدم رکھتا گدی پہ آکر

براجمان ہوتا ہے جبکہ سکندر اسکی دائیں طرف کھڑا ہو جاتا ہے۔السلام وعلیکم سردار سائیں دونوں فریقین اس سے بیک وقت سلام کرتے ہیں۔وہ سب کے سلام کا جواب سنجیدگی سے سر ہلا کر دیتا ہے اور
پنچائیت شروع کرنے کا حکم دیتا ہے اسکے کہتے ہی وہ اپنی دائیں جانب موجود حیدر صاحب کی طرف اشارہ کرتا ہے جس پر حیدر صاحب بولتے ہیں----
سائیں اس گاؤں کی تاریخ گواہ ہے جب بھی آپ نے پنچائیت میں کوئی فیصلہ کیا ہمیشہ انصاف پہ مبنی کیا ہے خدارا سائیں مجھے انصاف چاہیے۔ سردار دانیال سیال سنجیدگی سے حیدر کی طرف دیکھتا ہے۔ سائیں شاہنواز فاروقی کے بیٹے آصف نے میری بیٹی کو دوسری بار بیٹی پیدا ہونے پر زندہ جلا دیا تھا حیدر اب زاروقطار رو رہا تھا میری دو نواسیوں سے انکی ماں کا سایہ چھین لیا میری معصوم بچی کا کیا قصور تھا سائیں انسو اب بھی متواتر اسکا چہرہ بھگو رہے تھے۔ دانیال سیال شاہنواز فاروقی کی طرف متوجہ ہوا کیا یہ سچ

ہے؟ اسنے سنجیدہ لہجے میں شاہنواز فاروقی سے استفسار کیا۔
نہیں سردار سائیں حیدر جھوٹ بول رہا ہے اسکی بیٹی کچن میں کام رہی تھی جب اسکے دوپٹے کو آگ نے پکڑ لیا ہمارے پہنچنے سے پہلے وہ جل چکی تھی۔دانیال دونوں کی مکمل بات سن کر اپنے ساتھ کھڑے سکندر سے ثبوت مانگتا ہے۔ سکندر فوراً اپنے ہاتھ میں موجود میڈیکل رپورٹ دانیال کے حوالے کرتا ہے جس میں صاف لکھا تھا کی کومل حیدر کی بیٹی پر جلانے سے پہلے بری طرح تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا،پھر سکندر دو گواہ بلاتا ہے دونوں گواہ دانیال کو سلام کرتے ہیں جبکہ ان دونوں کو دیکھ کر شاہنواز فاروقی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی۔ بولو کیا جانتے ہو تم لوگ؟ جی سائیں آصف سائیں نے کومل بی_بی کو ہماری آنکھوں کے سامنے زندہ جلایا تھا وہ دونوں چونکہ شاہنواز فاروقی کے ہاں ملازم تھے اسی لیے ڈرتے ڈرتے سچ بول گئے۔شاہنواز نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ گواہی سننے کے بعد دانیال غصے سے آگ بگولا ہو گیا میں سردار دانیال سیال یہ حکم دیتا ہوں کہ آصف شاہنواز کی جائیداد

میں سے اسکی بچیوں کا جو حصہ بنتا ہے اسکا دُگنا حصہ وہ ان کے نانا کے حوالے کر دیا جائے جو بیٹیوں کے جوان ہونے پر انکے نام کر دیا جائے گا اور آصف کو گاؤں کے بیچ و بیچ کوڑے مار مار کر قتل کر دیا جائے۔ نہیں سائیں خدارا رحم کریں میرے بیٹے کو بخش دیں سائیں۔۔۔شاہنواز فاروقی سردار دانیال کی طرف بڑھتا جب دانیال کے گارڈز اسکو روک لیتے ہیں۔ دانیال حکم صادر کرتا شاہنواز فاروقی کی منتوں کو نظر انداز کرتا اپنی کالی لینڈ کروزر کی طرف بڑھ جاتا ہے اسکے بیٹھتے ہی سکندر گاڑی زن سے بھگا لے جاتا ہے اسکی گاڑی کا رخ سیال حویلی کی طرف تھا۔

جی-ٹی روڈ اسلام آباد کی مصروف ترین شاہراہوں میں سے ایک ہے۔ اونچی لمبی عمارتوں کا مرکز مختلف طرز پر بنے کیفے اور ریسٹورینٹس ہر

وقت لوگوں سے کھچا کھچ بھرے رہتے ہیں۔اگر ہم دھوپ سے بچتے بچاتے یوں ہی ایک کیفے
Beyond Cafe Heights کا رخ کرتے اندر دبے پاؤں داخل ہو تو یہ ایک خوبصورت ٹُرکِش طرز پر بنا ایک تھیمڈ کیفے ہے جہاں کا منظر انسان کو مبہوت کر دیتا ہے۔دیواروں پہ بنے قدیم زمانے کے نقش و نگار اور کیفے کی چھت کے درمیان میں لٹکتا جھومر اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔اسی طرح کی ایک میز کی طرف جھانکو تو ایک میل کسٹمر ویٹر پہ چیخ رہا تھا۔
یہ کیا کر دیا تم نے بےوقوف اندھے ہو گئے ہو ساری کافی مجھ پر گِرا دی میرے اتنے مہنگے ڈریس کا ستیاناس کر دیا تم نے اس نے زوردار تھپڑ ویٹر کے منہ پہ دے مارا۔ویٹر بیچارہ شرمندگی کے مارے سر اٹھانے سے قاصر تھا۔کسٹمر اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا دفتاً کیفے کی اونر پانچ فٹ چھ انچ سے نکلتا قد گھرے لمبے کمر سے نیچے تک آتے براؤن بال گہری بھوری درمیانی آنکھیں جن میں سنجیدگی صاف ظاہر تھی، لمبی گھنی پلکیں جن پہ لگا مسکارہ

انھیں مزید دلکش بناتا، ستواں ناک جس میں بائیں جانب ہیرے کی چھوٹی سی نوزپن پہن رکھی تھی گلابی لب اور ناک کے دائیں جانب موجود تل اسے خوبصورت ترین بنا رہا تھا۔اولیو کلر کی گھٹنوں سے نیچے آتی شرٹ نیچے بلیک کیپرری ساتھ اولیو کلر کا ہی حجاب کیے بلیک دوپٹہ دائیں کندھے پہ رکھے وہ سنجیدگی سے چلتی ہوئی کسٹمر کے عین سامنے آکر کھڑی ہوتی ویسا ہی ایک زوردار تھپڑ کسٹمر کے رکھ کے مارتی ہے۔کیفے کی دیواروں نے باقاعدہ اپنے منہ پہ ہاتھ رکھ کے اسے دیکھا آس پاس کے لوگوں ،سٹاف اور میز،کرسیوں نے دم سادھ لیا اور یہ جاننے کے لیے بے چین ہوئے کہ اب کیا ہونے والا ہے!!!

عائشہ سلطان کے کیفے میں کوئی اسکے سٹاف کے ساتھ بدتمیزی کرے اور حد سے تجاوز کرے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا آئندہ دھیان رکھیئے گا سررررر----

اس نے آخر میں سر پہ زور دے کر کہا۔ ویٹر مشکور نظروں سے عائشہ کی طرف دیکھ رہا تھا پھر وہ اسکی طرف متوجہ ہوئی۔

بولو زین کیا مسلئہ تھا؟ اس نے ویٹر سے استفسار کیا میم میں انھیں کافی سرو کرنے لگا تو انھوں نے ٹانگ آگے کرلی جسکی وجہ سے میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور کافی ان پر گر گئی وہ شرمندہ سا سر جُھکا کر جواب دیتا ہے۔ عائشہ آئبرو اچکا کر کسٹمر کی طرف دیکھتی ہے تو وہ بھی ڈھیٹ بنا اسکی طرف گھورتا کہتا ہے یہ جھوٹ بول رہا ہے صرف اپنی غلطی کوراپ کر رہا ہے۔ عائشہ سنجیدگی سے اسکی طرف دیکھتی ہے عائشہ سلطان اپنے سٹاف پہ اعتماد کرتی ہی بہتر ہے آپ خود عزت سے چلیں جائیں نہیں تو یقیناً آپ کو میرے بھیجنے کا طریقہ بلکل بھی پسند نہیں آئے گا؟ میں تمہیں دیکھ لوں گا تم سمجھتی کیا ہو خود کو؟

میں نے بہت سے بھونکتے کتوں کو دیکھا ہے اور ان سے ڈیل کرنا **عائشہ سلطان** کو بہت اچھے سے آتا ہے۔ وہ اسے جواب دیتی ہے جبکہ کسٹمر اپنی اتنی عزت افزائی پر کھولتا ہوا گالیاں بکتا کیفے سے نکل جاتا ہے۔ عائشہ واپس اپنے سٹاف کی طرف متوجہ ہوتی ہے----

"جسکا جتنا ظرف ہوتا ہے وہ اتنا ہی برداشت کرتا ہے بہتر ہے جو کتا بھونک رہا ہے اسے بھونکنے دو جو جس قابل ہے اسے اتنی ہی عزت دو لوگوں کو انکی اوقات میں رکھنا ضروری ہے سر پر چڑھاؤ گے تو یونہی کاٹنے کو آئے گیں۔"
سمجھے؟آخر میں اس نے سب سے یقین دہانی چاہی تو سب نے سر ہلا کر اسے جواب دیا۔
Now go back to your work hurry up!
اسکے کہتے ہی سب لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ عائشہ جیسے ہی مڑتی ہے اسے سامنے سے اسکی یونیورسٹی کی دوست **عبیر ملک** آتی دکھائی دیتی ہے۔ زہے نصیب! آج تو ہمارے کیفے میں بڑے بڑے لوگ تشریف لائے ہیں.....اسکی بات سنتے عبیر ملک کھلکھلا کے ہنس دیتی ہے۔ وائٹ رنگ کی گھٹنے سے تھوڑا سا اوپر شارٹ شرٹ ساتھ بلیو جینز پہنے گلے میں مفلر کی طرح سٹولر پہنے پانچ فٹ پانچ انچ قد سنہری آنکھیں باریک لب کندھوں سے نیچے آتے سنہرے بھورے بال جو پونی میں مقید تھے اور چہرے پر بلا کی معصومیت۔وہ ایک پرکشش لڑکی تھی۔وہ عائشہ کے پاس آتی ہے اور اس سے گلے ملتی

ہے۔عائشہ اسے اپنے آفس کی طرف چلنے کا اشارہ کرتی ہے۔
وہ اپنے آفس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتی ہے۔سامنے ہی ایک میز کے گرد چیر رکھی تھی اور دائیں جانب تھری سیٹر صوفہ،بائیں جانب کھڑکی جس پہ گرے رنگ کے پردے گرائے گئے تھے ایک طرف کارنر میں رکھی الماری میں مختلف سرٹیفکیٹس اور شو پیسس اسکی نفاست مزاجی کا منہ بولتا ثبوت تھے بیشک اسکا آفس بھی کیفے کی طرح شاندار تھا۔ عائشہ صوفے کے ایک جانب بیٹھ کر دوسری طرف عبیر کو بیٹھنے کا کہتی ہے ہاں جی اب بتائیں کیسی ہیں آپ؟ میں الحمدللہ ٹھیک ہوں تم بتاؤ۔میں بھی ٹھیک۔
کافی یا چائے؟ عائشہ اس سے پوچھتی ہے نہیں یار کچھ نہیں چاہیے۔اچھا میں تم سے شاپنگ کا پوچھنے آئی تھی کیا خیال ہے آج شام چلیں پھر کسی اچھی سی جگہ ڈنر بھی کریں گے۔
ہممم۔۔۔آج نہیں میں دراصل آج تھوڑا بیزی ہوں ایسا کرتے ہیں کل چلتے ہیں اس نے آئبرو اچکا کر استفسار کیا ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔

انھیں باتیں کرتے ابھی تھوڑی دیر ہی گزرتی ہے کہ عبیر کے موبائل پہ کال آنے لگتی ہے تو وہ جلدی سے کال اٹھائی مبادا کٹ ہی نہ جائے السلام علیکم جی بھائی! آگے سے کچھ پوچھا گیا تو وہ سنجیدگی سے کہتی ہے بھائی میں اپنی دوست کی طرف آئی تھی۔۔اوکے بھائی میں آتی ہوں گھر اللہ حافظ۔اپنے بھائی کی پوری بات سن کر وہ کال کاٹتی عائشہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے

اچھا تم تیار رہنا کل،میں چلتی ہوں بھائی نے بلایا ہے۔اوکے خدا حافظوہ کہتی ہے اور باہر کی طرف بڑھ جاتی ہے۔ عائشہ بھی اسے خدا حافظ کہہ کر اپنے کام کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

اگر اسلام آباد کی چکاچوند کو چھوڑ کر زور گڑھ کی طرف رخ کریں اور پہاڑوں کی چٹانوں پر اڑتے بادلوں اور دل موہ لینے والے مناظر کو دیکھتے ہوئے سیال حویلی میں پوری شانوشوکت سے داخل ہو تو اسوقت منظر کچھ یوں ہے کہ دروازے کے بلکل سامنے درمیان میں تھری سیٹر جدید صوفہ سیٹ کیا گیا ہے جسکے اطراف میں

دو سنگل صوفے رکھے گئے اور بائیں جانب سے ترچھی کر کے اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں بنائی گئی ہیں۔دائیں جانب ڈائینگ ہال موجود ہے جہاں اسوقت گھر کے تمام افراد بیٹھے نظر آئیں گیں ٹیبل پہ بس ایک سربراہی کرسی خالی ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ سردار دانیال سیال کا انتظار کیا جا رہا ہے۔
ہم فلحال انھیں چھوڑ کر سیڑھیوں کو چڑھتے ہوئے اوپر کی طرف جائیں تو دائیں اور بائیں اطراف میں بہت سے کمرے موجود تھے۔ اگر ہم دائیں جانب دیکھے تو اس جانب چار کمرے موجود تھے۔اگر ہم تھوڑا سا آگے کی طرف جائیں تو سب سے پہلا اور حویلی کا سب سے بڑا کمرا سردار دانیال سیال کا ہے،اس کمرے کے دروازے کو اندر کی طرف دکھیل کر داخل ہونے پر کمرے کر وسط میں ہی کنگ سائز کا گول خوبصورت اور جدید طرز کا بیڈ رکھا گیا تھا جسکے دونوں اطراف سائیڈ ٹیبلز موجود تھے اور ان پہ پڑے قیمتی اور مہنگے شوپیس، بیڈ کی پیچھلی دیوار پر بڑا پورٹریٹ لگایا گیا تھا جس میں سردار دانیال سیال اپنے کالے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑا تھا۔

بیڈ کے دائیں جانب ڈریسنگ روم جبکہ ڈریسنگ روم کے ساتھ اٹیچ باتھ روم۔کمرے کے بائیں جانب تین سیڑھیاں نیچے کی طرف بنائی گئی تھی جدھر ڈارک گرے رنگ کے پردے گِرائے گئے تھے سیڑھیوں سے نیچے اتر کر سامنے ہی ایک دروازہ بنایا گیا تھا جو یقیناً اٹیچ سٹڈی روم تھا اسکے دروازے کی ساتھ ہی دیوارگیر شیشہ بنایا گیا تھا جسکے سامنے بہت ہی خوبصورت اور جدید طرز کا ٹیبل جس پر مختلف قسم کی پرفیومز، ہیئرجیلز رکھے ہوئے تھے۔ بےشک کمرے کی ایک ایک چیز دانیال سیال کی نفاست اور اچھی چوائس کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

ڈریسنگ روم کا دروازہ کھلتا ہے اور دانیال سیال اپنا کف ٹھیک کرتا روم سے باہر آتا ہے۔ہلکے گرے رنگ کی کہ شلوار قمیض کے ساتھ کالے رنگ کی چادر اوڑھے وہ چلتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوتا ہے اور جیل کی مدد سے بال سیٹ کرنے لگتا ہے دفتاً کمرے کا دروازہ نوک ہوتا ہے وہ بغیر پوچھے بھی جانتا تھا کہ دروازے پر سکندر ہے کیونکہ اس شخص کے علاوہ کسی کو اجازت نہیں کمرے میں آنے کی،

آجاو! وہ سکندر کو اجازت دیتا ہے۔ سکندر دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتا ہے سردار سائیں نیچے سب ڈائینگ ہال میں آپکا انتظار کر رہے ہیں سکندر دروازہ بند کر کے احترامً ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا دانیال سیال کو پیغام دیتا ہے۔
تم سے کتنی دفعہ کہا ہے سکندر مجھے بھائی کہ کر بلایا کرو تم سے صرف تین سال ہی بڑا ہوں میں دانیال خفگی سے اسکی طرف دیکھ کر کہتا ہے سکندر خجل سا مسکراتا ہے آئندہ دھیان رکھوں گا بھائی۔ دانیال جلدی سے پرفیوم اٹھا کر خود پر سپرے کرتا ہے اور نیچے کی طرف بڑھ جاتا ہے۔
ڈائنگ ہال میں داخل ہو کر دانیال سب کو سلام کرتا ہے اور سربراہی کرسی سنبھال لیتا ہے سب لوگ ناشتہ شروع کرتے ہیں جب دانیال بات کا آغاز کرتا ہے کل زاویار لندن سے واپس آرہا ہے اور اب یہی پر لاء کی پریکٹس کرے گا، سکندر اسکا کمرہ اپنی نگرانی میں تیار کروانا دانیال سنجیدگی سے سکندر سے کہتا ہے جی اچھا بھائی سکندر جواب دیتا ہے۔
یہ تو بہت اچھی بات ہے دانیال بیٹا میں تو ترس گئی ہوں اپنے بچے کی شکل دیکھنے کو۔۔۔دانیال

کی والدہ آسما بیگم نم آواز میں کہتی ہیں جی اماں سائیں اب آجائے گا تو خود دیکھ لیجیئے گا دانیال اپنی والدہ کو جواب دے کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ مجھے جرگے سے دیر ہو رہی ہے شام کو ملاقات ہو گی اماں سائیں دانیال اپنی والدہ کے ماتھے پہ بوسہ دے کر سب کو خدا حافظ کر کے جرگے کے لیے روانہ ہو جاتا ہے جبکہ دانیال کے چچا کی بیٹی مہرو جو کب سے دانیال پہ نظریں گاڑ کر بیٹھی تھی ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتی ہے۔

سردار اعظم سیال کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں پہلا اور بڑا بیٹا احسن سیال جن کی شادی اعظم سیال کے دوست کی بیٹی آسما بیگم سے ہوئی۔ آسما بیگم بہت ہی نیک اور نرم مزاج عورت تھی ان کا ایک بیٹا دانیال سیال اور دوسرا زاویار سیال دوسرے نمبر پر اعظم سیال کی بڑی بیٹی رُکیّہ سیال جنکی شادی انکے خالہ زاد جہانزیب صاحب سے ہوئی انکے تین بچے اشر، حماد اور کشمالہ تھے،

تیسرے نمبر پہ بیٹا اورنگزیب سیال جنکی شادی جہانزیب صاحب کی چھوٹی بہن سیمہ سے ہوئی انکے بھی تین بچے منتہیٰ،شازل اور عیشا تھے۔

چوتھے نمبر پہ عالمگیر سیال جنکی شادی انکی چچا زاد رطیبہ بیگم سے ہوئی جنکی ایک بڑی بیٹی مہرو اور چھوٹا بیٹا سمیع سیال ہے اور پانچویں نمبر پہ اعظم سیال کی چھوٹی بیٹی عطیہ سیال جنہوں نے اپنے کلاس فیلو زبیر مرزا سے پسند کی شادی کی انکے دو بچے قاسم مرزا اور قُصوہ مرزا تھے۔

اعظم سیال کی وفات کے بعد انکی جگہ انکے بیٹے اورنگزیب سیال نے سرداری کی گدی سنبھالی۔ احسن سیال کا اسلام آباد میں گاڑیوں کا شوروم تھا سو وہ سرداری کی گدی سنبھالنے سے انکاری تھے اسی لئے انکی جگہ انکے چھوٹے بھائی گدی نشین ہوئے۔ اورنگزیب سیال گاؤں میں رہ کر زمینوں کی دیکھ بھال کرتے تھے مگر جلد ہی ہارٹ اٹیک کے باعث دارے فانی سے کوچ کر گئے اور چند سال بعد ایک ٹریفک حادثے میں احسن صاحب اور انکی بھابھی سمیعہ بیگم وفات پاگئے۔

اورنگزیب سیال کی جگہ گھر کے بڑے سپوت دانیال سیال گدی نشین ہوا ساتھ ساتھ اپنے بابا کے بزنس کو بھی کبھی کبھار دیکھ لیتا۔ شازل عموماً

احسن صاحب کی جگہ بزنس کو دیکھا کرتا تھا، جبکہ زاویار سیال لاء کی ڈگری کمپلیٹ کرنے کے لیے لندن میں مقیم تھا جو اب ڈگری مکمل کر کے واپس آرہا تھا۔

اگلے دن سیال حویلی میں ہر طرف گہما گہمی تھی سب لوگ زاویار کا استقبال کرنے کے لیے بہت پُرجوش تھے آخر کو پانچ سال بعد واپس آرہا تھا۔ حویلی میں ہر چیز کو بہت عمدہ طریقے سے رکھا گیا۔ آسما بیگم کے تو پاؤں ہی زمین پر نہیں لگ رہے تھے انکا بس نہ چلتا کہ ابھی جا کر اپنے جگر کے گوشے کو سینے میں بھینچ لیں۔ دوپہر ایک بجے حویلی کے باہر گاڑیوں کے رکنے کی آواز آئی سب لوگ ہال میں بیٹھے ہوئے تھے اور اپنی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے دفتاً دروازے سے ایک ہیولا داخل ہوا چھ فٹ سے نکلتا قد مضبوط جسامت بھورے بال گندمی سفید رنگت سرمئی

آنکھیں خوبصورت اور پرکشش نقوش اور آنکھوں میں شرارت بیشک وہ ایک خوبصورت مرد تھا۔ ہلکے سبز رنگ کی ٹی شرٹ پہنے ساتھ سفید جینز پہنے وہ چلتا ہوا آسما بیگم کے پاس آ کر رکا۔
کیسی ہیں ڈارلنگ؟ وہ شرارت سے آسما بیگم سے سوال کرتا ہے آسما بیگم اسکے سر پر چپت رسید کرتی ہیں بے شرم یاد آ گیا کہ ایک عدد ماں بھی ہیں تمہاری آسما بیگم خفگی سے اسے جتلاتی ہیں۔۔۔
ارے ڈارلنگ ناراض کیوں ہوتی ہیں اب تو آگیا ہوں نہ کہیں نہیں جاتا میں زاویار انھیں گلے لگا کر سر چوم کر کہتا ہے۔
پھر وہ رطیبہ بیگم اور عالمگیر سیال سے ملا اسکے بعد زاویار سب کزنز سے ملا۔ چلو زاویار بیٹا تم جا کر فریش ہو جاؤ پھر میں کھانا لگواتی ہوں آسما بیگم زاویار کو کہ کر رطیبہ بیگم کے ساتھ کچن میں چلی جاتی ہیں اور زاویار فریش ہونے کے لیے کمرے میں چلا جاتا ہے۔

اگر ہم حویلی سے نکل کر گاؤں کی فضا میں مٹی کی خوشبو کو محسوس کرتے ہوئے اور پرندوں کی چہچہاہٹ کو سنتے ہوئے حویلی سے ڈیڑھ کلومیٹر دور آئے تو ایسے ہی ایک گھر میں ایک ضعیف عورت کچن میں کھانا بنانے کی تیاری کر رہی تھی وہ جلدی جلدی میں سب کام کر رہی تھی۔ گھر زیادہ بڑا نہیں تھا ڈھائی مرلہ کا گھر دو کمروں، چھوٹا سا صحن اور ایک عدد کچن پر مشتمل تھا۔ صحن میں مختلف قسم کے پودے رکھے ہوئے اور صحن میں بکھری گلاب کے پھولوں کی خوشبو نے فضا کو معطر کر دیا۔

دفتاًء گھر کا دروازہ کھلنے کی آواز آتی ہے اور ایک لڑکی جلدی میں اندر أتی ہے وہ جلدی سے اپنا بیگ اور چادر اتار کر چارپائی پر رکھ کر چپکے سے جا کے کچن میں موجود ضعیف عورت سکینہ بی بی کو پیچھے سے گلے لگا لیتی ہے میری بچی آگئی سکینہ بی بی پلٹ کر اسکا ماتھا چوم کر کہتی ہیں۔ دادوو آپ یہ کیوں کر رہیں ہیں میں آنے ہی والی تھی نہ میں کر لیتی ہٹیے سامنے سے میں کرتی ہوں۔ وہ انھیں پیچھے کرتے ہوئے کہتی ہے۔

نہیں میرا بچہ تم ابھی تھک کر آئی ہو تم جا کر ہاتھ منہ دھو لو کھانا تیار ہے اوکے دادوو میں بس یوں گئی اور یوں آئی وہ انکا گال چوم کر کمرے میں بھاگ جاتی ہے اور سکینہ صاحبہ بھی مسکراتی ہوئی دوبارہ مصروف ہو جاتیں ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آتی ہے گھٹنوں تک آتے اوشن گرین فراک اور بلیک کیپری ساتھ ہم رنگ دوپٹہ جو نماز پڑھنے کے لیے حجاب کی صورت میں لیا تھا بھرے بھرے نقوش بلوئش گرے آنکھیں جو اس نے اپنی ماں سے چرائی تھیں کمر تک آتے کالے بال پانچ فٹ قد اور نہ زیادہ دبلی نہ زیادہ صحت مند وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ماشاءاللّٰہ وردا بچے تم تو بہت پیاری لگ رہی ہو اللّٰہ تمہیں بری نظر سے بچائے آمین۔ دادوو اسکی نظر اتارتے ہوئے کہتی ہیں۔

افففففف دادوو یہ تو بس آپکی نظر کا کمال ہے۔ وہ بریانی کا چمچ منہ میں ڈال کر جواب دیتی ہے۔اج تمہارا کالج کیسا گزرا؟ دادوو نے استفسار کیا۔

کیا بتاؤں دادوو آپ کو لاسٹ ڈیز چل رہے ہیں نہ تو آجکل بس بہت بیزی ہوں۔

تمہارا آخری دن کب ہے؟ دادو دو دن بعد ہفتے کو ہے اور دادو ہفتے کو فئیرول بھی ہے۔
اچھا چلو شاباش جلدی سے کھانا کھاؤ اور تھوڑا سا آرام کر لو۔
دادوو اس سے کہتی ہیں جی اچھا وہ جواب دےکر کھانا کھانے لگتی ہے۔

اسلام آباد:

موسم ابرآلود تھا ٹھنڈی ہواؤں نے اسلام آباد میں بسیرا کر رکھا تھا ہر کوئی اس خوشگوار موسم سے لطف اٹھا رہا تھا۔ اگر ہم ان ہواؤں کا لطف لیتے ہوئے سلطان مینشن کی طرف آئیں تو ایک شخص سخت جھنجھلاہٹ کا شکار اور بے زار طبیعت لئے بے دلی سے تیار ہو رہا تھا۔ آئینے کے سامنے کھڑا وہ بے دلی سے پرفیوم سپرے کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل کر سیڑھیاں اتر کر لاؤئنج میں داخل ہر کر باآواز سلام کرتا ہے اور اپنی بہن زیبا کو گلے لگاتا ہے۔ چھ فٹ ایک انچ

قد اوشن گرین آنکھیں کالے بال سفید رنگت جس میں ہلکی سی سرخی گھلی ہوئی تھی مغرور ناک کھڑی ٹھوڑی اور چہرے پر بلا کی سنجیدگی جو ہمہ وقت رہتی۔ نیوی بلیو تھری پیس پہنے جیل کی مدد سے بال سیٹ کیے ہاتھ میں مہنگی رولکس گھڑی پہنے وہ بیشک بہت پرکشش مرد تھا۔
کیسی ہو گڑیا اور میری گڑیا کا منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟وہ زیبا سے استفسار کرتا ہے۔
بھائی آپ نے کہا تھا کہ کل رات آپ ہمیں ڈنر کے لیے لے کر جائیں گیں بٹ آپ نے اپنا پرومس توڑ دیا۔ زیبا اپنے بھائی سے لاڈ سے کہتی ہے اوووو۔۔۔ سوری میری گڑیا پکا میں آج شام آپکو لے کر چلوں گا۔ نہیں بھائی آپ پھر سے جھوٹ بول رہے ہیں زیبا نفی میں سر ہلا کر جواب دیتی ہے۔
گڑیا میرا نام زِمام سلطان ہے اور زِمام سلطان کو بھرم رکھنے آتے ہیں۔ اوکے بھائی زیبا بھی خوش ہو کر زمام کے گلے لگ جاتی ہے۔
کیا بات ہے بہن اور بھائی میں اکیلے اکیلے لاڈ چل رہا ہے مجھے بھول گئے آپ دونوں اتنے میں وہاں عائشہ کچن سے نکل کر آتی ہے اور خفگی

سے کہتی ہے۔ ارے نہیں میری شہزادی آپ کو ہم کیسے بھول سکتے ہیں زمام فوراً سے عائشہ کو بھی گلے لگا کر کہتا ہے۔
عائشہ سلطان اور زیبا سلطان دونوں مسکرا کر اپنے بھائی کو دیکھتی ہیں۔ اچھا چلیں بھائی ناشتہ کریں آپکو آفس سے دیر ہو جائے گی یہ کہتے ہی تینوں ڈائنگ ٹیبل کی طرف بڑھ جاتے ہیں۔ ڈائنگ ٹیبل پر اسوقت عائشہ زمام زیبا اور زیام سلطان بیٹھے تھے۔بتم تینوں کا آج کیا پلان ہے؟ زمام تینوں سے پوچھتا ہے۔ کچھ نہیں آج مجھے اپنی یونی فیلو کے ساتھ شاپنگ پہ جانا ہے اور پھر کیفے عائشہ بریڈ کا سلائس اٹھاتے ہوئے جواب دیتی ہے اور گڑیا آپکا پھر زیبا سے سوال کرتی ہے کچھ نہیں آپی میں بس یونیورسٹی۔۔، اور زیام تم کہیں بزی تو نہیں ؟ زمام زیام سے استفسار کرتا ہے نہیں تو آج بس ایک میٹنگ میں جاؤں گا تم آفس کو دیکھ لینا زیام چائے پیتے ہوئے جواب دیتا ہے۔
ہممم۔۔۔ اچھا چلو شام چھ بجے تک تیار رہنا ہم آج رات ڈنر پہ جائیں گیں زمام کہتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے اور عائشہ اور زیبا کے سر چوم کر کے آفس کے لیے روانہ ہو جاتا ہے۔ زِمام سلطان کا اسلام

آباد میں بہت بڑا اور مشہور امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا جسکی شاخیں مختلف ممالک میں پھیلی ہوئی تھی مختصر یہ کہ زمام سلطان پاکستان کا جانا مانا بزنس ٹائیکون تھا۔

اچھا چلو گڑیا مجھے بھی دیر ہو رہی ہے تم یہ سب سمیٹ دینا اور یونی سے جلدی واپس آجانا۔ اوکے آپی زیبا جواب دیتی ہے اور کمرے میں تیار ہونے چلی جاتی ہے اور عائشہ بھی کیفے کے لیے روانہ ہو جاتی ہے۔

اقبال سلطان کے دو ہی بچے تھے ایک بڑا بیٹا عمر سلطان اور چھوٹی بیٹی آسما سلطان۔ اقبال سلطان بہت بڑے جاگیردار تھے۔بل اپنے بچوں کو انھوں نے بہت ہی لاڈ پیار سے پالا تھا۔ اپنی لاڈلی بیٹی کی شادی انھوں نے اپنے ایک دوست کے بیٹے سے کی تھی اور انکا بیٹا عمر ان دنوں پڑھنے کے غرض سے بیرونِ ملک رہا کرتے تھے۔ وہاں انھیں اپنی ایک یونیورسٹی فیلو امبرین پسند آگئی خوش قسمتی سے امبرین مسلمان تھی اور یتیم تھیں اسی لئے عمر سلطان کے ساتھ پاکستان آگئی۔ انکا یہاں بہت عمدہ استقبال کیا گیا اور شاہانہ انداز

میں انکی شادی عمر سلطان سے کروائی گئی۔ عمر سلطان نے شہر میں اپنا بزنس سٹارٹ کیا اور دن دگنی رات چوگنی ترقی کرنے لگے۔کچھ عرصہ بعد ہی انکے والد کا انتقال ہو گیا اور اس غم کو برداشت نہ کرتے ہوئے انکی والدہ بھی دارفانی سے کوچ کر گئیں۔

عمر سلطان اس غم سے بہت ٹوٹ گئے تھے پھر انکی اہلیہ انکا بازو بنی اور انھیں حوصلہ دیا اور ہمت بڑھائی۔ عمر سلطان کے تین بچے تھے بڑا بیٹا زِمام سلطان چھوٹی بیٹیاں عائشہ سلطان اور زیبا سلطان۔ زمام جب بارہ سال کا تھا تب ایک حادثے میں عمر سلطان کا انتقال ہو گیا تو انکی اہلیہ امبرین سلطان اپنے بچوں کو لے کر شہر اسلام آباد میں شفٹ ہو گئی اور وہیں اپنے شوہر کے بزنس کو دیکھنے لگی۔ ان دنوں زمام یونیورسٹی کا سٹوڈنٹ تھا جب امبرین سلطان انتقال کر گئیں تب زمام سلطان نے اپنی پڑھائی اور بزنس دونوں کو دیکھا اور اپنی بہنوں کا خیال رکھا۔ زمام کو اپنی بہنوں سے بہت لگاؤ تھا وہ اپنی بہنوں کے لیے جان بھی دے سکتا تھا۔ اپنی والدہ کے بعد زمام نے ہی اپنی بہنوں کا خیال رکھا اور انکی تعلیم مکمل

کروائی۔ جسکی وجہ سے اب عائشہ سلطان کا اپنا کیفے تھا اور زیبا کا یونیورسٹی میں لاسٹ ائیر تھا۔

عائشہ کیفے میں بیٹھی اکاؤنٹس کا کام دیکھ رہی تھی جب عبیر ملک بغیر اجازت کے اندر داخل ہوتی ہے اور دھپ سے آکر صوفے پر بیٹھ جاتی ہے ۔ عائشہ چہرہ ہلکا سا اٹھا کر اسکی طرف دیکھتی ہے اور کام کرنے لگتی ہے۔ عبیر اپنا اگنور ہونا با مشکل برداشت کرتی ہے عائشہ اب بس بھی کر دو یار چلو ہمیں شاپنگ پہ بھی جانا ہے عبیر تنگ آ کر بولتی ہے۔ اچھا میری ماں چلو بٹ ہم لنچ کر لیں گے باہر ڈنر نہیں۔ عائشہ ہنس کر کہتی ہے جب عبیر ڈنر نہ کرنے کی وجہ پوچھتی ہے یار آج نہ بھائی کے ساتھ ڈنر کے لیے جانا ہے اسے لیے۔ اچھا چلو کوئی بات نہیں ابھی کے لیے

تو چلو۔ یہ کہتے ہی وہ عائشہ کو بازو سے پکڑتی ہے اور باہر کی جانب چل پڑتی ہے.

سنٹورس مال اسلام آباد کا سب سے بڑا اور مشہور مال ہے۔ اس کے اندر داخل ہو کر ایک تو انسان مبہوت ہی رہ جاتا ہے بڑی بڑی دکانوں میں لگے بریندڈڈ کپڑے اور جوتے ہر آنے جانے والوں کو اپنی طرف متوجہ ضرور کرتے ہیں۔

عائشہ اور عبیر دونوں اسوقت ایک شاپ میں داخل ہو رہی تھی تھوڑی دیر دکان میں موجود سامان کا جائزہ لینے کے بعد وہ دونوں کپڑوں کے ایک سیکشن کی طرف بڑھتی ہیں۔ یہ کیسا ہے عبیر ایک سادہ سہ نیلے سوٹ کی طرف اشارہ کرتی ہے ہممم اچھا ہے وہ دونوں شاپ سے باہر نکل کر تھوڑی دیر اور شاپنگ کرنے کے بعد لنچ کرنے کے لیے مال سے باہر ایک بڑے کیفے کی طرف چل پڑتی ہیں۔

عبیر تم یہاں بیٹھو میں کافی لے کر آتی ہوں عائشہ عبیر سے کہ کر کافی لینے جاتی ہے۔

تھوڑی دیر بعد جب عائشہ کافی لیے مڑتی ہے تو ایک مرد سے ٹکرا جاتی ہے۔

دانیال سیال اسلام آباد آج شوروم کا وزٹ کرنے آیا تھا۔ وہ ایک میٹنگ کے سلسلے میں کیفے آیا تھا جب وہ ایک لڑکی سے ٹکرا جاتا ہے۔ دانیال جب سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھتا ہے تو مبہوت رہ جاتا ہے سرخ وسفید رنگت گہری بھوری آنکھیں اور سفید حجاب کے ہالے میں مقید چہرہ عائشہ کو دیکھ سردار دانیال سیال سانس نہ لے سکا وہ پلک جھپکنا تک بھول گیا اسے لگا وہ اگر آنکھیں بند کرے گا تو یہ منظر تحلیل ہو جائے گا۔

آئم سو سوری مجھے پتہ نہیں لگا سو سوری عائشہ کے بولنے پہ دانیال ٹرانس سے باہر آیا۔ اوہ اٹس اوکے آپ نے جان بوجھ کر نہیں کیا ہوگا کوئی بات نہیں۔ دانیال عائشہ کو فوراً جواب دیتا ہے۔ عائشہ اسے تھینک یو کہتی ہے جب عبیر عائشہ کے پاس آتی ہے کیا ہوا عائشہ تم ٹھیک ہو وہ اس سے استفسار کرتی ہے ہاہ۔۔۔ ہاں میں ٹھیک ہوں وہ کہتی ہوئے گھر کے لیے باہر کی جانب چل پڑتی ہیں جبکہ سردار دانیال سیال کی نظریں عائشہ کے اوجھل ہونے تک اسکا پیچھا کرتی ہیں۔

بھائی۔۔۔بھائی آپ ٹھیک ہیں؟ سکندر عائشہ کے جانے کے بعد دانیال کے پاس آکر فکرمندی سے پوچھتا

ہے ہا۔۔ہاں میں ٹھیک ہوں چلو چلتے ہیں سکندر دانیال کا محو ہو جانا محسوس کرتا ہے مگر کچھ کہتا نہیں ہے پھر وہ لوگ کیفے سے واکـــآؤٹ کر جاتے ہیں۔
دور کھڑی قسمت انکو دیکھ کر مسکراتی ہے اور آنے والے لمحات کو سوچ کر ہی پرجوش ہوگئی۔

زیبا تیار ہو کر نیچے آئی تو سامنے ہی اسے اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے زیام سلطان کھڑا نظر آیا زیبا نے اسے دیکھ کر برا سا منہ بنایا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھنے لگی۔ تمہاری گاڑی سروس کے لیے ورک شاپ گئی ہے چلو تمہیں میں چھوڑ دوں زیام اسے گاڑی کی طرف بڑھتے دیکھ کر بولا۔
زیبا نے حقارت سے سر جھٹکا تہماری اتنی اوقات ہے کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں زیبا اسے جواب دیتی ہے۔ مجھے بھی کوئی شوق نہیں کہ میں تم جیسی لڑکی کے لیے انتظار کروں مجھے زِمام نے

فون کر کے کہا ہے تمہیں چھوڑنے کا تو اس لیے شرافت سے گاڑی میں بیٹھو زیام اسے جواب دیتے ہوئے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتا ہے۔ کوئی ضرورت نہیں ہے میں خود چلی جاؤں گی، زیبا کہتے ہوئے باہر کی جانب مڑتی ہے ابھی کچھ قدم ہی چلتی ہے کہ زیام اسے بازو سے پکڑ کر گاڑی سے لگا دیتا ہے

سمجھتی کیا ہو آخر خود کو تم؟ غرور کس بات کا ہے تمہیں کیوں کرتی ہو اتنی نفرت مجھ سے؟؟؟

زیام بے بسی سے اس سے پوچھتا ہے۔ زیبا زیام کا غصہ دیکھ کر ایک لمحے کو ڈر ہی جاتی ہے مگر اگلے ہی پل غصے سے اپنا بازو چھڑواتی ہے کیونکہ تم میرے باپ کے قاتل ہو تمہاری وجہ سے میرے بابا مرے تھے نہ اس دن وہ تمہیں لینے جاتے نہ ہی وہ مرتے آج وہ ہم سب کے ساتھ ادھر موجود ہوتے زیبا کے اس انکشاف پر ہر چیز ساکت ہو گئی ارد گرد کی چیزوں نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ اس لڑکی کو دیکھا جو نجانے کب سے یہ بات دل میں چھپا کر بیٹھی ہوئی تھی اسقدر تکلیف میں مبتلا وہ لڑکی چیختے

ہوئے کہتی اپنے کمرے میں بھاگ جاتی ہے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ جاتی ہے۔
پیچھے زیام کو لگتا ہے جیسے کسی نے اسکے جسم سے روح نکال لی ہو اسکا چہرہ یوں سفید تھا مانو کسی نے بدن سے سارا خون نچوڑ لیا ہو قسمت نے اس پہ کیسا انکشاف کیا تھا کیا وہ اپنے والد کی موت کا اسے قصوروار سمجھتی تھی زیام سلطان کا وجود اس وقت سناٹوں کی زد میں آچکا تھا اسے کیسے بھی کر کے اس کی غلط فہمی کو دور کرنا تھا ہر قیمت پہ دور کرنا تھا پتہ نہیں کیوں مگر اسے دور کرنا تھا!!!

اگر ہم سلطان مینشن کو چھوڑ کر ملک پیلس کی طرف آئیں تو اسوقت گھر میں اودھم مچا ہوا تھا عبیر ملک نے پورے گھر کو سر پہ اٹھایا ہوا تھا۔
جلدی کریں آپا بی مجھے دیر ہو رہی ہے جلدی سے ناشتہ دیں مجھے۔ بلیک پلازو کے ساتھ وائٹ شارٹ شرٹ پہنے نیچرل میک آپ کے ساتھ وہ کہیں جانے کے لیے تیار لگتی تھی لا رہی ہوں عبیر بی بی آپا بی جلدی سے ناشتہ اسکے سامنے

رکھتی ہیں جسے وہ فوراً کرنے لگتی ہے کیا ہوا ہے عبیر بی بی آپ کہیں جا رہی ہے کیا؟ آپا بی اس سے پوچھتی ہیں جی اپا بی میں نے جاب کے لیے اپلائی کیا تھا بس وہی انٹرویو دینے جا رہی ہوں دعا کیجیئے گا مجھے جاب مل جائے میرا شوق ہے عبیر چائے پیتے ہوئے جواب دیتی ہے انشاللّٰہ عبیر بی بی آپکو ضرور ملے گی نوکری۔ آمین اچھا آپا بی میں اب چلتی ہوں بھائی آئیں تو انھیں بتا دیجیئے گا عبیر ناشتہ مکمل کرتی گاڑی کی چابی اٹھاتی ہوئی باہر کی جانب بڑھتے ہوئے کہتی ہے۔ جی اچھا آپا بی کہتے ہوئے کام کرنے لگ جاتی ہیں۔

عبیر کی گاڑی سرمئی سڑک پہ اپنی چھاپ چھوڑتی ہوئی ایک بڑی سی بلڈنگ کے باہر رکتی ہے جس کے ٹاپ پہ

SULTAN GROUP OF ENTERPRISE'S

بڑے الفاظ میں لکھا ہوتا ہے وہ اپنی کار پارکنگ ایریا میں کھڑی کر کے وہ ریسیپشن کی طرف بڑھتی ہے *Excuse me* عبیر ریسیپشن پہ بیٹی

لڑکی کو مخاطب کرتی ہے یس میم وہ لڑکی جواب دیتی ہے کیا آپ مجھے بتا سکتی ہے کہ جو جاب انٹرویوز ہو رہے وہ کس فلور پہ ہیں؟ میم اٹس تھرڈ فلور اوکے کہتی ہوئی عبیر لفٹ کی طرف چل پڑتی ہے۔
لفٹ تھرڈ فلور پر رکتی ہے تو عبیر باہر آتی ہے وہ سیدھ میں چلتی ہوئی کسی سے پوچھ کر ایک روم کی طرف بڑھتی ہے جہاں آلریڈی کچھ کینڈیڈیٹس انٹرویو کے لیے بیٹھے ہوتے ہیں۔
باری باری سب انٹرویو دیتے ہیں جب عبیر کو اندر بلایا جاتا ہے وہ گہرا سانس لے کر اندر داخل ہوتی ہے

May I come in Sir?
Yes come in!

اندر سے اجازت ملنے پر عبیر جا کر ٹیبل کے پاس کھڑی ہو جاتی ہے وہ ٹیبل کی دوسری طرف دیکھتی جدھر وہ شخص منہ دوسری طرف کر کے بیٹھا ہوا ہوتا ہے بیٹھیے مس عبیر وہ شخص کہتے ہوئے گھومتا ہے اور منہ عبیر کی طرف کرتا ہے زمام سلطان کو دیکھ کر عبیر ملک کی دل کی

دنیا سٹک ہو جاتی ہے اس نے آج سے پہلے کبھی اتنا خوبصورت مرد نہیں دیکھا ہوتا وہ زِمام کو دیکھنے میں اس قدر محو ہوتی ہے کہ زمام اسے بیھٹنے کا کہتا ہے اسے یاد ہی نہیں رہتا جب وہ نہیں بیٹھتی تو زمام سر اٹھا کر اسکی طرف متوجہ ہوتا ہے زمام اسے دیکھتا ہے تو اس قدر چہرے پہ معصومیت دیکھ کر مبہوت رہ جاتا ہے پر جلد ہی خود پہ قابو پا لیتا ہے اور گلا کھنکھاڑتا ہے
اہم اہم----- بیٹھیے مس عبیر!! زمام مس عبیر پہ زور دے کر بولتا ہے عبیر جلدی سے سوری سر کہ کر چیئر پر بیٹھ جاتی ہے۔
ہاں تو مس عبیر بتائیں آپ نے جسٹ بی ایس اونرز کیا ہوا ہے جبکہ ہماری کمپنی میں سارا سٹاف ہائلی کوالیفائڈ ہے اپکو کیوں لگتا ہے کہ مجھے اپ کو یہ جاب دینی چاہیے؟ زمام اسکے بیٹھتے ہی استفسا کرتا ہے۔
یس سر آپکی بات درست ہے مگر مجھے لگتا ہے کہ انسان کا کام اسکی محنت سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ اسکی کوالیفیکیشن سے اور میرے حساب میں اس ایبل ہوں کہ مجھے جاب دی جائے میں نے بی ایس ایک اچھے ریکارڈ سے پاس کیا ہے اور

مجھ میں اتنی لگن ہے کہ اپنی محنت اور کام کی بنیاد پہ پہچانی جاؤں۔ عبیر بھر پور کانفیڈینس سے جواب دیتی ہے۔
زمام سلطان اسکے جواب سے متاثر ہوتا وہ اور ایک دو مزید سوالات کرتا ہے کانگریس مس عبیر آپ کل سے ایز آ پرسنل اسسٹنٹ جاب سٹارٹ کر سکتی ہیں زمام اسے جواب دیتا ہے بٹ سر جاب تو کسی اور پوسٹ کے لیے تھی عبیر اس سے سوال کرتی ہے۔
جی مس عبیر اس پوسٹ کے کیے آلریڈی سلیکشن ہو گئی ہے اور چونکہ آپ اس قابل ہیں کہ آپکو جاب دی جائے سو اپکو پرسنل اسسٹنٹ کی پوسٹ پہ رکھ لیا گیا ہے کیا آپکو کوئی اعتراض ہے؟
زمام جواب دے کر اس سے سوال کرتا ہے۔نو نو سر آئم اوکے تھینک یو سر عبیر کہتی ہوئی آفس سی باہر نکل جاتی ہے جبکہ زمام گہرا سانس لے کر رہ جاتا ہے اس نے آج سے پہلے اتنی کانفیڈنٹ لڑکی نہیں دیکھی ہوتی اور اس نے اسے پرسنل اسسٹنٹ کیوں رکھ لیا اس سوچ کو فلحال پرے دکھیل کر واپس اپنے کام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

زور گڑھ:

گزشتہ رات زور گڑھ بارش کی زد میں تھا ہر
طرف پانی نے جل تھل کر دیا پودے اور درختوں
کو ایک نئی زندگی بخشی گئی پرندے چہچہاتے
ہوئے سب کو نئی زندگی کی نوید سنا رہے تھے
ایسے میں اگر ہم کھینچ کر ایک گہری لمبی
سانس فضا میں لیں تو یوں لگتا جیسے فضا میں
پھیلی مٹی کی بھینی بھینی خوشبو نے روح کو نئی
تازگی بخش دی ہو بلکل اسی خوشبو کی مانند وردا
سبحان کے بھی گھر میں ناشتہ کی خوشبو پھیلی
ہوئی تھی اور وردا سبحان اپنے کمرے میں آج
کالج کی فیئرول کے لیے تیار ہو رہی تھی۔
بلیک کلر کی لمبی ٹخنوں تک آتی ریشمی
گیھرےدار فراک پہنے جس کے دامن پہ سلور کلر
کی موتی چمک رہے تھے اپنی بلوئش گرے
آنکھوں کو کاجل سے لبریز کیے جیولری کے نام

پر سلور کلر کے چھوٹے ٹوپس پہنے اور ٹی پنک کلر کی نیچرل لپسٹک سے ہونٹوں کو مزین کئے ساتھ بلیک ہی سمپل خصہ اور دوپٹے کو حجاب کی صورت میں چہرے کے گرد لپیٹے وہ کوئی آسمان سے اتری پری لگ رہی تھی۔
وردا جلدی سے کمرے سے باہر آتی ہے اسلام علیکم دادوو طبیعت کیسی ہے آپکی؟ دادوو سے انکی طبیعت پوچھتی ہے۔ ماشاءاللّٰہ میری بچی تم تو بہت خوبصورت لگ رہی ہو دادوو اسکا صدقہ اتارتی ہیں یہ لو اسے جاتے ہوئے کسی ضرورت مند کو دے دینا چلو آؤ بیٹھو اور ناشتہ کرو۔ جی دادوو وردا کہتے ہوئے بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگتی ہے اچھا دادوو میں جا رہی ہوں اپ اپنا دھیان رکھیئے گا خدا حافظ دھیان سے جانا۔ وہ کہتے ہی باہر کی جانب بڑھ جاتی ہے۔

سیال حویلی کی طرف آؤ تو زاویار سلطان اپنی وائٹ پراڈو میں بیٹھے کہیں جانے کی تیاری میں تھا۔ بلیک کلر کی قمیض شلوار پہنے اوپر سکن چادر اوڑھے نیچے پشاوری چپل پہنے اور انکھوں پر مہنگے سن گلاسز لگائے وہ بہت ہینڈسم دکھ

رہا تھا۔ تبھی اندر سے باہر اتی عیشاء اور مہرو زاویار کو مخاطب کرتیں ہیں زاویار بھائی اپ جا رہے ہیں تو ہمیں کالج چھوڑ دیجئے گا آج ہمارا فیئرول ہے زاویار انھیں سر اٹھا کر دیکھتا ہے اچھا بچے چلو گاڑی میں بیٹھو جلدی مجھے بھی دیر ہو رہی ہے زاویار انھیں کہتا ہے اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتا تو مہرو اور عیشاء جلدی سے بیک سیٹس سنبھالتی ہیں۔

زاویار سیال آج شہر وکالت کے سلسلے میں جا رہا تھا جہاں اسنے اپنی پریکٹس سٹارٹ کرنی تھی۔ اسکی گاڑی حویلی کے گیٹ سے باہر نکلتی اور گاؤں کی کچی سڑک پر دھول اڑاتی ہوئی اپنی منزل کی طرف نکلتی ہے۔ وہ کالج کے گیٹ کے باہر گاڑی روکتا ہے جب ایک لڑکی بھاگتی ہوئی آکر عیشاء اور مہرو کے گلے لگتی ہے اور زاویار ان نمونوں کو دیکھتا ہے جو ایسے مل رہی تھیں جیسے صدیوں بعد قید سے آزاد ہوئیں ہو۔ زاویار کا دھیان وردا کی طرف جاتا ہے اس کی بلوئش گرے آنکھوں کو دیکھ کر زاویار کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوتا ہے اوپر سے کاجل انھیں مزید پرکشش ترین بنا رہا تھا۔

عیشاء یہ کون ہے پہلے تو کبھی تم لوگ اس کے ساتھ نہیں آئے وردا مہرو اور عیشاء سے استفسار کرتی ہے۔
یہ زاویار بھائی ہیں دانیال سردار کے چھوٹے بھائی مہرو وردا کو جواب دیتی ہے تو وردا اووو کی شکل میں ہونٹ گول کرتی ہے اچھا چلو ہمیں دیر ہو رہی ہے وردا کہتے ہوئے اندر کی جانب بڑھتی ہے اور عیشاء اور مہرو بھی زاویار کو خدا حافظ کہہ کر اندر چلی جاتی ہیں جبکہ زاویار گہری سانس بھر کر رہ جاتا ہے اور خود شہر کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔

جاری ہے......

ناول ”عشق حیات“ کی مزید تفصیلات کے لیے میرے انسٹاگرام اکاؤنٹ کو فالو کریں۔

https://www.instagram.com/_ayesha_sial?igsh=bWptbmJ4a250MXV0